تاثرات

جب سقوطِ ڈھاکہ کی خبر موصول ہوئی، اس وقت المعارف کا پچھلا پرچہ مطبع کے حوالے ہو چکا تھا۔ ممکن تھا کہ چند صفحات کا اضافہ یا ردّ و بدل کر کے اظہارِ دلی کی گنجائش نکال لی جاتی لیکن اس واقعۂ جانگداز کا صدمہ اتنا شدید تھا کہ مشرقی پاکستان کی صورتِ حال کے متعلق اس طرح کے اور اتنے تشویشناک خیالات نے دل و دماغ کو تہ و بالا کر رکھا تھا کہ اگر کہا جائے کہ چند روز تک ہوش و حواس ہی ٹھکانے نہ تھے تو بے جا نہ ہو گا۔ طبیعت پر ایک کیفیت طاری تھی، غم و الم، کرب و اضطراب اور تشویش و تفکّرات کی۔ اس کیفیت میں ایک بھاری شکست کا غم تھا۔ وطنِ عزیز کے اس حصّے پر جہاں ملک کی اکثریت آباد ہے غنیم کے تسلّط کا صدمہ تھا۔ اور اس وسیع خطے میں غیر بنگالیوں، بہاریوں اور لاتعداد محبِ پاکستان بنگالیوں پر دشمن ہی نہیں، نام نہاد مکتی باہنی کے ہاتھوں جو گزر رہی تھی اس کا تصوّر ہی زہرہ گداز تھا۔ کم و بیش یہی کیفیت ساری قوم کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غموں کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ اس حالت میں المعارف کے صفحات پر اپنے تاثرات پیش کرنے سے شاید طبیعت کا بوجھ کسی قدر ہلکا ہو جاتا۔ لیکن غالباً اس سے ناظرین کی کوئی خدمت نہ ہوتی۔

آج اس سانحۂ ہوش رُبا کو تقریباً چار ہفتے بیت گئے لیکن دل کے سارے زخم ہرے ہیں۔ فی الواقع دسمبر ۱۹۷۱ء میں جو کچھ رونما ہوا، اس کے بعض اثرات دیرپا بلکہ دوامی ہیں۔ ان نئے حالات میں نئے صدرِ مملکت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے جو قدم اٹھائے ہیں وہ تعمیری اور مدبّرانہ ہیں۔ شیخ مجیب الرحمان نے بیان کیا ہے کہ سابق صدر نے انھیں پھانسی دینے کا حکم دے دیا تھا لیکن مسٹر بھٹو نے جو اس وقت نامزد نائب وزیرِ اعظم تھے، اپنے قوی دلائل سے اس حکم کے نفاذ کی کامیاب مخالفت کی۔ اس کے بعد جب انھوں نے عہدۂ صدارت سنبھالا تو شیخ صاحب کو کال کوٹھڑی سے نکال کر ایک شریفانہ مکان میں منتقل کیا، اور پھر انھیں عزت اور آبرو کے ساتھ، بغیر کسی شرط کے رہا کر دیا۔ بالجملہ اُن کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جس کے وہ بطور سات کروڑ انسانوں کے ایک منتخب رہنما کے

حقدار تھے۔ پاکستان سے ان کی روانگی سے پہلے ان سے دوستانہ ماحول میں گفت وشنید کی اور رات کے تین بجے اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر انھیں خیر باد کہا۔ صدر یحییٰ خاں کے عہدِ اقتدار میں مشرقی پاکستان کے معاملات اس حد تک بگڑ چکے تھے۔ اور وہاں مخالفِ پاکستان قوتیں (بھارتی فوج / روسی مشیر اور معاون، اور بہیمانہ جوشِ انتقام سے سرشار نام نہاد مکتی باہنی) اس طرح چھائی ہوئی تھیں کہ حالات میں کسی انقلابی خوشگوار تبدیلی کی توقع عبث ہے لیکن بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کی تلخیوں کو کم کرنے کی مسٹر بھٹو نے جو کوششیں کی ہیں وہ بالکل بے اثر نہیں رہیں۔ ڈھاکہ پہنچ کر شیخ صاحب نے ان لوگوں کی ہاں میں ہاں ملائی جنھوں نے بھارتی جارحیت کے سہارے نام نہاد بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کیا تھا۔ لیکن انھوں نے بعض باتیں ایسی بھی کہیں اور کیں، جن سے تھوڑی سی امید اس امر کی بندھتی ہے کہ اگر اللہ کا فضل شاملِ حال ہوا اور مخالف قوتیں کامیاب نہ ہوئیں تو شاید مشرقی اور مغربی پاکستان کے تعلقات تلخی اور عناد پر نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے مفاد اور باہمی افہام و تفہیم کی بنیادوں پر استوار ہو جائیں۔ اس امر کا فیصلہ تو مستقبل ہی کر سکتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ خواہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے تعلقات کتنے ہی کیوں نہ سدھر جائیں، کچھ ایسی گتھیاں پڑ گئی ہیں۔ کہ اب یہ تعلقات ایک نئے نہج پر ہی استوار ہو سکتے ہیں۔ اور ملک کی آئندہ صورت گزشتہ سے بنیادی طور پر مختلف ہوگی۔

یہ صورت حالات بڑی رنجدہ ہے۔ ایک عظیم قومی المیہ ہے جس نے نہ صرف چوبیس سال کی کوششوں پر ناکامی کی مہر لگا دی ہے۔ بلکہ آئندہ کی نسبت اور خود مغربی پاکستان کے متعلق خدشات پیدا کر دیے ہیں۔ ان حالات میں اس پہ غور کرنا نہ صرف قدرتی بلکہ ضروری ہے کہ یہ صورت حال کیوں رونما ہوئی؟ اس کے اسباب وعلل کیا تھے؟ اور مکمل قومی تباہی کا راستہ کس طرح بند ہو سکتا ہے؟ جائزہ اور محاسبہ کی اس ضرورت کا عام طور پر احساس ہے۔ اور بعض رسائل میں اس موضوع پر اظہارِ خیال بھی کیا گیا ہے لیکن چونکہ یہ تبصرے عجلت میں لکھے گئے، اس لیے زیادہ تر سرسری اور سطحی ہیں۔ بلکہ بعضوں کو دیکھ کر تو یہ خیال آتا ہے کہ شاید صورتِ حالات کی سنگینی کا پوری طرح احساس نہیں ہوا۔ اور

ہیں خواب میں ہنوز، جو جاگے ہیں خواب میں

معاملات عمومی شعور اور جزوی اقدامات کا نہیں رہا۔ جن مصائب سے ہم دوچار ہیں وہ دو ایک روز میں پیدا نہیں ہوئے۔ بلاشبہ ملک کو تباہی کے دہانے تک پہنچانے میں ایک ایسے سربراہِ مملکت کی نالائقیوں اور بدعنوانیوں کو بڑا دخل تھا، جو اگر ملک کے خلاف ایک سازش میں شریک یا سازشیوں کا آلۂ کار نہ تھا تو کم از کم لندن کے مشہور ہفتہ وار "آبزرور" کے بیان کے مطابق سیاسی اعتبار سے ایک احمق (A POLITICAL IDIOT) ضرور تھا، لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ جب اس کے پیشرو فیلڈ مارشل ایوب خاں نے عنانِ حکومت اس کے حوالے کی، تو اس وقت بھی ملک امن و امان اور اتحاد و یکجہتی کا گہوارہ نہ تھا۔ اس زمانے میں مشرقی پاکستان میں درختوں سے انسانی لاشیں لٹک رہی تھیں "گھیراؤ" "جلاؤ" ، لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ اور سیاسی راہنماؤں کی گول میز کانفرنس میں اکثریت کے ترجمانوں نے ایسے مطالبات پر زور دیا کہ ایوب خاں کہہ اٹھے کہ انھیں تسلیم کرنا ملک کو پارہ پارہ کرنا ہے لہٰذا میں اس کے لیے تیار نہیں۔ اسی طرح یہ ایک خود فریبی ہوگی، اگر ہم یہ سمجھیں کہ ہماری مشکلات کی ذمہ داری کسی ایک گروہ یا ایک جماعت پر عائد ہوتی ہے۔ فی الحقیقت ہمارے موجودہ بحران کی جڑیں بہت گہری اور اس کے علل و اسباب بہت وسیع ہیں۔ ان کے صحیح جائزہ اور ایک نتیجہ خیز محاسبہ کے لیے فقط دو تین سال کے واقعات کا تجزیہ کافی نہیں۔ اور نہ ہی فقط حکمران ٹولے کے عیوب و نقائص گنانے سے ہماری بدنصیبی کے اسباب کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے ہمیں اپنی تمام چوبیس پچیس سالہ تاریخ کو نظر کے سامنے رکھنا ہوگا۔ اور ان تمام اثرات کا جائزہ لینا ہوگا جن کا موجودہ بحران کے پیدا کرنے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ دخل ہے۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کا جائزہ ایک مختصر اداریہ میں نہیں سما سکتا۔ اس کے لیے ایک سلسلۂ مضامین درکار ہے۔ اس صحبت میں ہم فقط ایک تفصیلی اور وسیع جائزہ کی ضرورت اور اس جائزہ کی نوعیت کے متعلق اپنے خیالات پیش کر سکتے ہیں۔ ہم اہلِ فکر سے اشتراکِ عمل کی درخواست کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں کم از کم تین عنوانات ہمارے ذہن میں آتے ہیں جن پہ تفصیلی اظہارِ خیال کی ضرورت ہے: (۱) پاکستان کا حالیہ بحران۔ (۲) مشرقی پاکستان کا المیہ۔ (۳) مغربی پاکستان کے مسائل۔ ابتدا غالباً ان سے کرنی چاہیے لیکن ان کے علاوہ اور بھی اہم موضوع ہیں جن پہ روشنی ڈالنے سے ان مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے میں مدد ملے گی جو قوم کو درپیش ہیں۔

ہمیں ان اربابِ فکر کے رشحاتِ قلم پیش کرنے کی خاص طور پر خواہش ہے جنھوں نے موضوع کا گہرا مطالعہ کیا ہو۔ حقائق کو مزعومات سے جدا کر سکیں۔ واقعات کا کھلے اور ٹھنڈے دل سے تجزیہ کریں۔ انصاف اور خوفِ خدا کا دامن ہاتھ سے نہ دیں اور اپنی وفاداری کسی ایک جماعت یا خاص مکتبِ فکر سے نہیں، بلکہ پاکستان سے وابستہ رکھیں۔ ان کے مضامین اور مکاتیب کی اشاعت کے لیے المعارف کے صفحات حاضر ہیں۔ امید ہے وہ ہمیں مایوس نہ کریں گے۔

(اکرام)